بنگلہ دیشی ناول

دریا بی بی

شوکت عثمان

ترجمہ: ڈاکٹر عارفہ سیدہ زہرا

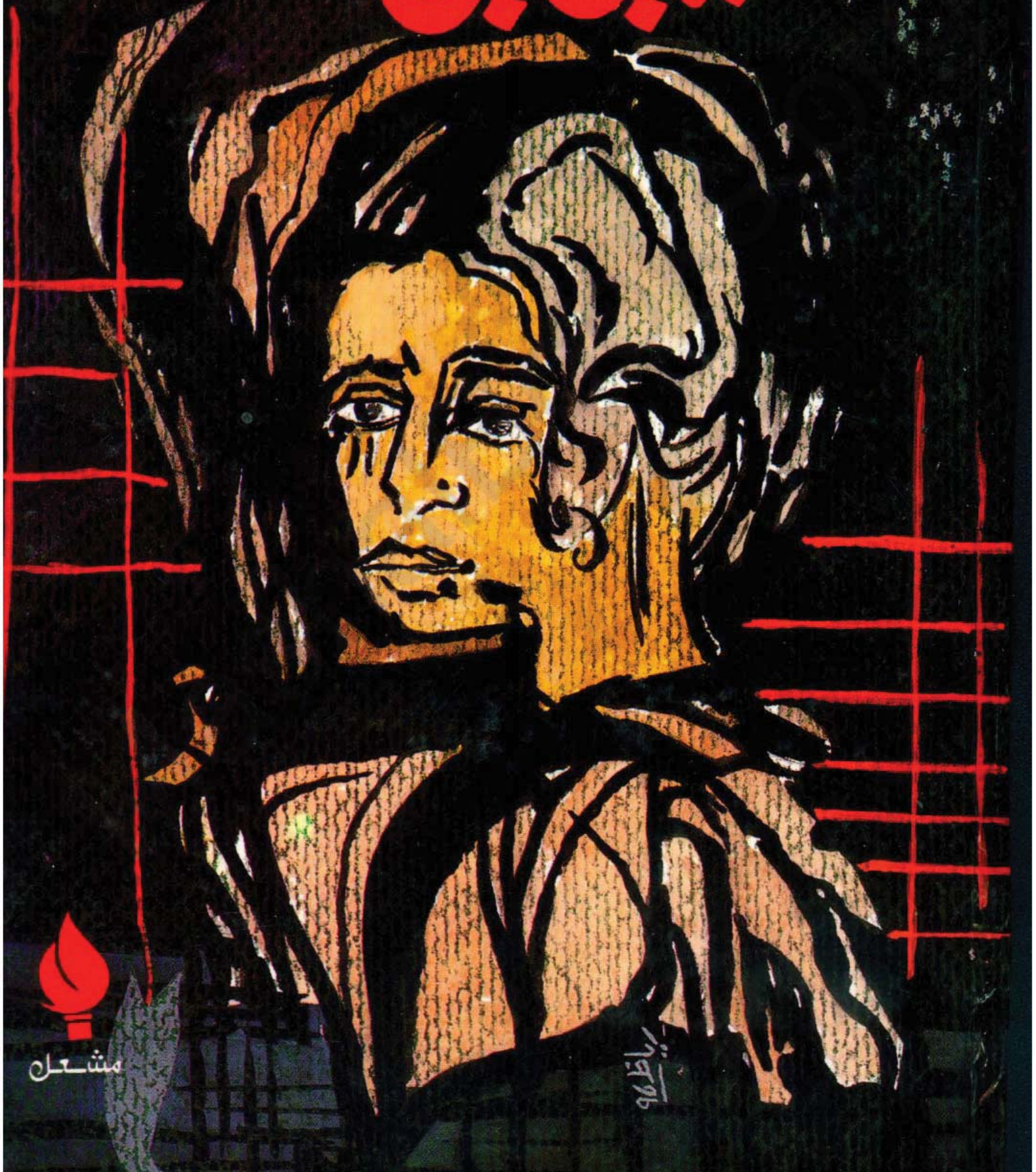

مشعل

دریابی بی

بنگلہ دیشی ناول

مصنف: شوکت عثمان

ترجمہ: ڈاکٹر عارفہ سیدہ زہرا

مشعل

آر۔بی 5 ' سیکنڈ فلور، عوامی کمپلیکس

عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور 54600 ' پاکستان

MashalBooks.org

پیش لفظ

شوکت عثمان کے ناول کے اصل نام ''جننی'' کا ترجمہ کرنا ناممکن ٹھہرا۔ ایک زبان کے مترادفات دوسری زبان میں مل جاتے ہیں معنی کا ترجمہ کرنا ہی سہل نہیں ہوتا۔ احساس کا ترجمہ کرنا ناممکن ہے۔ ہندی اور بنگالی زبان کا یہ لفظ زمین کے لیے بھی ہے اور عورت کے لیے بھی۔ دونوں کے مقدر بھی ایک دوسرے سے مختلف نہیں اور ان دونوں اپنے ظرف میں ایک دوسرے سے مماثل ہیں۔ لازمی طور پر ان کے ساتھ برتاؤ بھی ایک جیسا ہی ہوتا ہے۔ وہ مادرِ وطن کی پناہ ہو یا ماتا کی چھاؤں۔ انسان دونوں کا برابر محتاج ہے۔ دونوں اپنے سے متعلق لوگوں کے لئے بے زبان میزبان ہیں، چاہے کسی حیثیت میں ہی کیوں نہ ہوں۔ یہ اور بات ہے کہ دریا سے چلو بھر پینے والوں کو دریا کی وسعت اور درد کی گہرائی سے کوئی غرض نہ رہی ہو۔

ناول کا مرکزی کردار دریا بی بی ہے جو اردو ترجمے میں ناول کا نام ٹھہرا۔ یہ بی بی واقعی دریا ہے۔ اپنی ذات میں اکیلی اور پھر بھی ایک اکیلی ذات نہیں۔ زندگی اس کو کس کس رنگ میں ملتی ہے اور وہ اس سے کس کس طرح نبٹتی ہے۔ اس ایک عورت کی زندگی میں تین مرد شامل ہیں۔ زندگی وہ پھر بھی اکیلے ہی بسر کرتی ہے۔ وہ تینوں کے بچوں کی ماں بنتی ہے۔ اور بچے اس کی رگ جاں ہیں۔ ممتا اولاد کی خاطر عزت نفس کو زہر پلا دیتی ہے۔ لیکن اولاد کی نظروں سبک میں ہو جانا برداشت نہیں کر پاتی۔ اور اس سودے میں جان سے گزرنا قبول ہو جاتا ہے۔ یہی پائمالی اس زمین کا مقدر ہے جہاں دریا بی بی کی کہانی جنم لیتی ہے۔ سیاست اور مذہب کی بساط پر زندگی مہرہ بنی رہتی ہے۔ یہ کہانی میں بھی ہے اور حقیقت میں بھی ایک وہ

MashalBooks.org

ہیں جو چال چلتے ہیں اور ایک وہ ہیں جو چال میں آ جاتے ہیں۔ ایک کا کبھی نقصان نہیں ہوتا اور ایک کے ہاتھ کبھی کچھ نہیں آتا۔ شوکت عثمان نے اس رمز کو سمجھا آج ۴۶ء کی یہ کہانی ۹۶ء کی کہانی سے نہ الگ ہے نہ مختلف ۔ ہوس کے پیمانے احساس کے ظرف سے اسی طرح ٹکراتے چلے آئے ہیں۔

دریا بی بی کا کردار ایک حساس اور مضبوط عورت کا کردار ہے۔ زندگی کی کسمپرسی اور رسم و رواج کی بے بسی اسے کچل نہیں پاتیں۔ وہ زندہ رہنے کا سلیقہ جانتی ہے، زندگی کی حقیقتیں اس کے سامنے ننگی اور بھیانک ہو کر آتی ہیں۔ وہ تب بھی اس قرینے کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتی۔ اس کے پاس دینے کو ایک جان ہے، سودے دیتی ہے۔ کسی سے اپنے لئے کچھ نہیں مانگتی۔ کچھ نہیں کہتی۔ اور جان بھی اسی اولاد کی عزت و ناموس کے لئے دیتی ہے۔ جن کی خاطر اس نے بے عزتی کا داغ اٹھایا۔ ایک نظر میں تو یہی شائستہ میزان ہے کہ اس کا انجام ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔ لیکن کیا واقعی یہ میزان شائستہ ہے کہ ایک پابند، مجبور اور بے وسیلہ عورت اپنی اور اپنے بچوں کی زندگی اور زمانے سے تن تنہا چومکھی لڑے؟ وہ غیرت وحمیت کے گھونٹ بھر لیتی ہے، مگر اولاد کی بے حسی اور بے دردی اسے مار ڈالتی ہے۔ اظہر خان آسودگی کی خاطر کچھ سوچے سمجھے بغیر جب چاہتا ہے، غربت و عسرت کا سارا بوجھ اس پر ڈال کر نئے جہانوں کی تلاش میں نکل جاتا ہے۔ اور ہر بار خالی ہاتھ پلٹ آتا ہے۔ اس کے ان فیصلوں میں دریا بی بی کہیں شریک نہیں ہے لیکن ان فیصلوں کے نتیجے میں پیدا ہونے والی دشواریاں اور دکھ دریا بی بی کا حصہ ہیں۔ یہ انہونی باتیں نہیں ہیں، نہ صرف کہانیاں ہیں۔ زندگی کی تصویریں ہیں جو ہمارے لئے نامانوس نہیں۔

یہ ناول ایک گہرا ناول ہے۔ بنگال کے دریاؤں کی طرح جو اپنے اندر طوفان لئے پھرتے ہیں۔ بپھرنے پر آتے ہیں تو سب کچھ تہس نہس کر ڈالتے ہیں۔ خود کو بھی اور اپنے گرد و پیش کو بھی۔ دریا بی بی کہانی بھی ایسی ہی طاقتور کہانی ہے۔

عارفہ سیدہ زہرا

۲۸۔ جون ۱۹۹۶ء

MashalBooks.org

پہلا باب

جھٹ پٹے کا وقت بھی گزر چکا تھا۔

آنگن میں بنے باورچی خانے کی چھت نہیں تھی۔ چولھے کی آگ میں بانس کے اساروں اور سرکنڈوں کا سایہ کبھی کبھی جھلک جاتا۔ ایک پکا باورچی خانہ بھی آنگن میں دکھن کی طرف تھا مگر گرمیوں میں ایک بند جھونپڑی میں کام کرنا تکلیف دہ تھا اس لئے اظہر نے دریا بی بی کے لئے ایک اور باورچی خانہ بے چھت کا آنگن میں بنا رکھا تھا۔ دریا بی بی چولھے میں آگ سلگا رہی تھی۔ ہنڈیا پک رہی تھی۔ ہوا کے ہر جھونکے سے آگ کی لو بھڑک اٹھتی تو دریا بی بی کا چہرہ نظر آجاتا ماتھا پسینے سے بھیگا ہوا۔ امجد ماں کے پاس بیٹھا اسے کھانا پکاتے دیکھ رہا تھا۔ دوسری طرف کونے میں اظہر خان، اس کا باپ بھوسے کے گٹھے گاٹ رہا تھا۔

''میں نے بچھڑے کو سب جگہ ڈھونڈھ ڈالا ابا'' امجد نے کہا۔ ''وہ بڑا نٹ کھٹ ہے اور اس کی ماں بھی ویسی ہی ہے۔ اپنے بچھڑے کو اس طرح کھو آئی۔'' اظہر، کٹا ہوا بھوسہ بید کی ٹوکری میں رکھتا جا رہا تھا۔ اچانک ہوا سے ٹوکری ایک طرف کو اوندھ گئی اور کٹا ہوا بھوسہ اڑنے لگا۔ اظہر چلایا۔ ''امو پکڑ، بیٹے پکڑ اسے، اکٹھا کر لے۔''

میاں کی مدد کو دریا بی بی بھی اٹھی۔ کوئی تیس برس کی رہی ہوگی۔ دبلی پتلی سی، اس کا چہرہ گول تھا مگر سنجیدہ۔

امجد بھوسے کے تنکوں کے پیچھے ادھر ادھر دوڑتا پھر رہا تھا۔

''دیکھو ابا، یہ تو اڑے جا رہے ہیں؟''

ہوا تنکوں کو اونچا اڑا لے گئی۔

تھکی ہوئی دریا بی بی نے میاں کی طرف دیکھا اور بولی ''ایک تو جس طرح تم کام کرتے ہو۔'' اظہر نے دھیرے سے کہا ''ایک دم سے تو سب کچھ ہو گیا۔ پہلے تو ایسا کبھی نہیں ہوا۔'' اس کے بال بکھر گئے تھے۔ مٹھی بھر بھوسہ پکڑے وہ بولی ''امو ذرا یہاں آ بیٹے، دیکھ تو

مری آنکھ میں کیا پڑ گیا؟'' دریا بی بی بیٹھ گئی۔ امجد ماں کے پاس لپک کر آیا۔''یہ ٹوکری میں ڈال دے۔'' امجد نے فوراً ماں کا کہا مانا۔

''مری آنکھ میں کچھ پڑ گیا۔ کھٹک رہی ہے۔'' دریا بی بی نے ساڑھی کے کونے کا گولا سا بنایا اور منہ تک لے گئی۔ اسے اپنی سانس سے گرم کر کے آنکھ سینکنے لگی۔

''کچھ ٹھیک ہوا۔ ماں؟''

''ذرا دم لے بیٹا۔''

امجد بے سلی لنگی پہنے تھا۔ ماں کی دیکھا دیکھی اس نے لنگی کا کونا اپنے منہ پر رکھ لیا۔

''ہنڈیا جل رہی ہے۔''

دریا بی بی چولھے کی طرف لپکی۔''امور ذرا سا پانی تو لا دے۔''

امجد سے مدد مانگنے کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ دریا بی بی دوسرے باورچی خانے تک خود ہی دوڑ گئی، جہاں مٹکا رکھا تھا۔

ایک پیالہ پانی ہنڈیا میں انڈیلتے ہوئے بولی''باپ بیٹے نے مل کر یہ کارنامہ کیا۔ آنکھ ابھی تک دکھ رہی ہے۔''

اظہر بھوسے کے ایک گٹھے پر بیٹھا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ناریل کا حقہ تھا۔''دریا بی بی، چولھے میں کچھ انگارے ہیں؟'' دریا بی بی چولھے کے پاس بیٹھی اپنے بکھرے بال سمیٹ رہی تھی۔''کیوں نہیں؟ بڑھیا ایندھن جلاتے ہیں ہم تو۔ ہے نا؟''

اظہر نے دریا بی بی کو دیکھا۔ تھکن کا سایہ اسکے چہرے پر لہرا گیا تھا۔ اس کا چاؤ ٹھنڈا پڑ گیا۔ اظہر نے حقہ زمین پر لڑھکا دیا۔

''جانتے تو ہو، پتے جلاتے ہیں ہم۔ سارا دن پتے اکٹھا کرنا بھی آسان نہیں۔ ابھی اسی دن ذاکر کی ماں کہہ رہی تھی''بنو، ہمارے پیڑ کے پتے مت جھاڑو۔ کیا تم نے سب بھوسہ بیچ دیا؟''

اظہر حقہ بہت پیتا تھا۔ نشہ اب ٹوٹ رہا تھا۔ مگر اب اس سے رہا نہ گیا۔ حقہ پکڑے دریا بی بی کے سامنے آن کھڑا ہوا۔''زمین کا بیعانہ اور کہاں سے دیا میں نے؟''

''مویشی پل جاتے اس پر اگر تم نے......''

MashalBooks.org

میاں کی طرف دیکھتے ہوئے۔ دریا بی بی نے ساڑھی کا پلو سر پر کھینچا اور چپکے سے اظہر کے ہاتھ سے حقہ لے لیا۔

''امو، بیٹا ایک ڈھکنا لے آ۔''

''اب ڈھکنا کس لئے؟'' دریا بی بی کی آواز اب بڑی ملائم تھی۔

''ہوا پھر زور سے چلی تو چلم کی چنگاریاں آگ لگا سکتی ہیں۔''

جب وہ چلم سلگا چکی، تو اس نے احتیاط سے ڈھکن رکھ دیا۔ آنکھیں موندے، اظہر حقہ گڑگڑاتا رہا۔

''تالاب کے کنارے کچھ پیڑ ہیں، ان کو کاٹ لیں تو کیسا رہے گا؟ کچھ مہینوں تمہیں ایندھن کی فکر نہ رہے گی۔'' وہ بولا۔

''اگر تم نے کاٹ لئے تو پھر کیا کرو گے؟ جب تمہیں ضرورت ہوگی تو کیا ہوگا؟ بچوں کے بیاہ کا بھی تو سوچنا ہے۔''

امجد ماں کے پاس ہی بیٹھا تھا۔ بولا ''ماں، کس کا بیاہ ہو رہا ہے؟''

''تیرا'' دریا بی بی مسکرائی۔ اس کے سنجیدہ چہرے پر بجلی سی کوند گئی۔ پھر اظہر کی طرف دیکھتے ہوئے بولی ''یہ لڑکا بات نہیں کرنے دے گا۔ تیرے ابا کا بیاہ ہو رہا ہے امو۔''

اظہر خاموشی سے حقہ پئے گیا۔ کچھ بیگھے زمین اس نے آج جوتی تھی۔ دریا بی بی کی بات اس نے سنی ہی نہیں۔ تمباکو کے سرور میں وہ اونگھ سا رہا تھا۔

پھر جیسے کوئی نیند سے چونکے، وہ بولا ''کس کا بیاہ ہو رہا ہے؟''

''میرا، تمہارا، سارے گاؤں کا۔'' دریا بی بی ہنسی۔ اظہر نے بس ایک نظر اسے دیکھا اور پھر حقہ پینے لگ گیا۔ اظہر خان کچھ دلا بودا سا آدمی تھا۔ دن بھر کی مشقت کے سوا اسے کسی چیز سے سروکار نہ تھا۔

دریا بی بی نے پاس بیٹھے بیٹے سے کہا ''اپنے باپ کو تو پکارو دیکھو جاگ رہے ہیں کیا؟''

''بابا جی''

''کیا ہے؟ امو!''

دریا بی بی نے میاں سے کہا'' کھانا بس اب پکا ہی جاتا ہے۔ تب تک لڑکے سے بات کرو''

''ماں''

''کیا ہے؟''

''گائے کے چھپرے میں جا کر دیکھوں، شاید اب بچھڑا واپس آ گیا ہو؟''

''کام کی بات یاد دلائی تم نے۔''

وہ اظہر سے بولی۔''جاؤ، دیکھ آؤ بچھڑا آ گیا؟''

اظہر کو اس بات کا اطمینان تھا کہ بچھڑا محفوظ ہے۔

''کل سویرے آ جائے گا وہ واپس، تم دیکھ لینا''

امجد چپکے سے بولا۔''ماں ان سے کہو، جا کر دیکھ آئیں۔''

''تم جا کر کیوں نہیں دیکھ لیتے؟''

''سویرے دیکھا جائے گا۔''

سفید بچھڑا امجد کا پیارا تھا اس کے سوا اور کوئی وجہ اس کی پریشانی کی نہ تھی۔''ماں مگر آج کل لومڑیاں؟'' امجد نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

''اچھا تو آج کل لومڑیاں۔ خود کیوں نہیں جا کے دیکھ لیتے۔'' دریا بی بی نے بناوٹی غصے سے میاں سے کہا۔ اور بیٹے سے پوچھنے لگی۔''بچھڑے، کو ڈھونڈھنے کہاں تک گیا تھا تو، امو؟''

''قبرستان تک''

دریا بی بی نے ایک برتن اٹھایا اور دوسرے باورچی خانے کی طرف چلی گئی۔ پچھّم کی طرف ایک جھونپڑی تھی جس میں دو کمرے تھے۔ جہاں وہ رہتے بستے تھے۔ اس کی چھت پوال کی اور دیوار بانس کی چٹائیوں کی تھیں۔ اس کے برابر ہی یہ باورچی خانہ تھا جس میں برتن باسن رکھے رہتے تھے۔

برتن باورچی خانے میں رکھ کر دریا بی بی واپس آئی۔''پرانے قبرستان بھی گئے تم!'' پرانے قبرستان میں شہید دفن تھے۔ نئے قبرستان میں اب نئے مردے دفن کئے جاتے

تھے۔

''میں تم سے ہزار بار کہہ چکی ہوں وہاں مت جایا کرو۔ مگر تم سنتے کب ہو؟''

''مجھے ڈر نہیں لگا، ماں۔''

''فکر مت کرو۔ میں بڑے پیر کا پانی لاتی ہوں۔''

دریا بی بی پانی کی بوتل اور آبخورہ لے آئی۔ اظہر جس کا جی کچھ اچھا نہ تھا اونگھ رہا تھا۔اس نے توجہ نہ دی کہ ماں بیٹے کے درمیان کیا معاملہ ہو رہا ہے۔

''کیا لائی ہو، دریا بی بی؟'' اظہر بے خیالی سے بولا۔

''پڑھا ہوا پانی ہے لڑکے کے لیے۔''

اظہر تیر کی طرح ان کی طرف بڑھا۔''کیا کر رہی ہو تم؟'' کیا ہے یہ سب کچھ؟''

''کیوں کیا ہرج ہے اس میں؟''

''پڑھا ہوا پانی! ایسی بدعت ایک وہابی کے گھر میں۔ لوگ کیا کہیں گے؟''

''بیٹھ جاؤ'' دریا بی بی نے اکھڑ لہجہ میں کہا۔''اپنی بدعت رکھو اپنے پاس۔''

''اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ دریا بو۔'' اظہر نے رسان سے جواب دیا۔

''ہر بات میں جھگڑا کیوں کرتے ہو؟ بچے بیمار ہو جایا ہی کرتے ہیں۔ میں تو نہیں پی رہی''

اتنے میں آبخورے کا متبرک پانی امجد کے حلق سے نیچے اتر چکا تھا۔ خاموش طبع اظہر ذرا دیر بیزار سا کھڑا رہا۔ دریا بی بی کو کون سمجھا سکتا تھا؟ اپنا حقہ تھامے وہ پھر اپنی جگہ واپس چلا آیا۔ دریا بی بی کو لگا کہ میاں خفا ہو گیا ہے۔ ماحول کو معمول پر واپس لانا ضروری تھا۔

امجد ہچکچایا''جاؤ، ابا سے باتیں کرو'' اس نے بیٹے سے کہا۔''میں آنچ تیز کرتی ہوں۔''

اظہر چپ تھا مگر حقہ کی آواز آ رہی تھی۔ امجد جا کر کچے فرش پر باپ کے ساتھ بیٹھ گیا۔ تب اظہر بولا۔''تم فرش پر بیٹھے ہو آؤ، میری گود میں بیٹھ جاؤ۔''

''میں بھی آ جاؤں کیا؟'' دریا بی بی نے پکار کر کہا۔

''آ جاؤ، اماں۔''

MashalBooks.org

''بیٹے کو گھٹنوں پر بٹھائے اظہر حقہ کے کش لیتا رہا۔

''چھوڑو بیٹے'' دریا بی بی بولی،''میرے آنے سے کوئی فائدہ نہیں۔''اظہر نے دریا بی بی کو دیکھا۔ وہ ہتھیلی پر سالن ڈال کر نمک مرچ چکھ رہی تھی۔ اور اس کے چہرے پر مسکراہٹ لکیریں بن کر پھیلی ہوئی تھی۔

آگ بجھ گئی تھی۔ کھانا پک گیا تھا۔ اب دریا بی بی نظر نہیں آ رہی تھی لیکن اس کی ہنسی سنی جا سکتی تھی۔ آنگن کے پار ایک سایہ سا لہرایا، کوئی وہاں تھا۔ تین سال کی ایک ننگی پھتنگی بچی چلی آ رہی تھی۔ بال اس کے الجھے ہوئے تھے۔ اور آنکھوں میں اتنے چیپڑ بھرے تھے کہ ہو انہیں کھول نہیں پا رہی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے آنگن میں نگرانی کرنے آئی ہو۔ سب سے پہلے اسے اظہر نے دیکھا۔

''یہاں آؤ، بیٹا۔ آجاؤ، کہاں تھیں تم؟''

''بھتنی آ گئی'' امجد چلایا۔

دریا بی بی نے مڑ کر دیکھا اور ہنس پڑی۔''بڑی اماں، جاگ گئیں آپ؟''نعیمہ، دریا بی بی کی تین سال کی بیٹی تھی۔ وہ دریا بی بی کو شام کے وقت کام نہیں کرنے دیتی تھی۔ اس وقت دریا بی بی کو بہت کام کرنا ہوتے تھے۔ سو دریا بی بی اسے سلا آئی تھی۔

نعیمہ اظہر کے پاس نہیں گئیں، سیدھی ماں کے پاس چلی گئی۔''ذرا ٹھہرو، منی۔''

دریا بی بی نے چولھے سے ہنڈیا اتاری اور نعیمہ کو گود میں لے لیا۔ اس کو آنکھوں سے چیپڑ پونچھے نعیمہ بالکل نہیں بولی وہ جمائیاں لیتی رہی جیسے اس کی نیند پوری نہ ہوئی ہو۔

''کیوں، اور سوؤ گی کیا؟''

نعیمہ نے کچھ نہ کہا۔ اپنا منہ ماں کے سینے میں چھپا لیا۔

''ذرا ٹھہرو بھی۔ تمہارے ابا کو کھانا دیدوں امو بھی کھائے گا اور تم بھی۔''

کھانے کا نام سن کر نعیمہ ماں کی گود میں مچلنے لگی۔

اظہر کی طرف مخاطب ہو کر دریا بی بی بولی''تم عشاء کی نماز پڑھ لو، اور دیر کرنے سے کیا فائدہ یہ تو ابھی تک نیند میں ہے۔''

بھوسے کے گھٹے پر بیٹھا امو جھوم رہا تھا۔ ایک دنیا کی نینداس کی آنکھوں میں بھر گئی

MashalBooks.org

تھی۔

دریا بی بی بدھنے میں پانی لے آئی۔ ''سنو'' وہ بولی، ''ادھر دکھن کی طرف میں نے کدو کے بیج بوئے ہیں کلے پھوٹ گئے ہیں۔ میں انہیں روز پانی دیتی ہوں۔ جاؤ وضو ادھر ہی کرلو۔ وضو کا پانی ان پر پڑ لینے دو۔ مالک کے پیروں کا دھوون۔''

ایک حرف کہے بغیر، اظہر دکھن کی طرف وضو کرنے چلا گیا۔ دریا بی بی کے ایسے مذاق اسے اچھے نہیں لگتے تھے۔

کھانا تو پک گیا تھا۔ دریا بی بی نے چولھے کا منہ ایک برتن سے ڈھک دیا۔ تا کہ ہوا سے جلتے پتے ادھر ادھر نہ اڑیں۔ آج رات کے لیے اس کا کام نبڑ گیا تھا۔ وہ ایک اور برتن میں پانی لے کر آئی اور نیند میں دھت امجد کے منہ پر چھینٹے مارے۔

''اٹھو بھی، سب کھانا کھا رہے ہیں۔ آج شام تو تم نے بالکل نہیں پڑھا۔''

نعیمہ ابھی تک بڑبڑا رہی تھی۔

اظہر خان نماز پڑھ چکا تھا۔ اور پھٹا پرانا مصلیٰ لپیٹ رہا تھا۔

دریا بی بی کہنے لگی۔ ''ایک نیا مصلیٰ نہ خریدنا۔ اللہ سے ہر بات میں بے ایمانی۔''

''ہاٹ میں ڈیڑھ روپیہ مانگ رہے تھے ایک مصلے کا۔''

بات یہاں ختم ہو جانا چاہئے تھی۔ مگر دریا بی بی بات نہیں چھوڑ رہی تھی۔

''پھٹی چٹائی۔ ماتھا زمین پر لگتا رہے جب لوگ کٹا پڑا دیکھیں گے تو کہیں گے کیسا نیک پرہیز گار آدمی ہے۔''

پھٹی چٹائی لپیٹنے کے بعد اظہر نے منہ کھولا۔ ''اظہر خان اللہ تعالیٰ کو دھوکا دینے کو نماز نہیں پڑھتا۔'' اس نے جیسے اعلان کیا۔ ''مرے پردادا علی اسجد خان کو ہر کوئی جانتا ہے۔ میں اس خاندان سے ہوں۔''

''میرے پردادا ایک بہت پڑھے لکھے مولوی تھے۔ تو کیا مجھے بھی لکھنا پڑھنا سیکھنا پڑے گا؟'' دریا بی بی طنز سے بولی۔

اظہر خان کو اپنے خاندان کی توہین گوارا نہ تھی۔ عام طور پر وہ خود کو قابو میں نہیں رکھتا تھا۔ لیکن آج وہ صبر کر گیا۔

MashalBooks.org

''اس مصلےٰ پر تو تم بھی نماز پڑھتی ہو۔ اظہر نے کہا۔'' تو کیا اپنے خیال میں تم بھی نیک اور پرہیز گار ہو۔''

''ہماری جنت تو تمہارے پیروں تلے ہے۔ اگر تم اس کو استعمال کر سکتے ہو تو مرے لیے کیسے غلط ہوگا۔''

ایک لمحے کو اظہر خان سے غصہ برداشت نہ ہوا۔

''پھر کچھ اور مت مانگنا ایک چٹائی ہی تو ہے۔ اب میں ضرور لے کر آؤنگا۔ چاہے کسی بھاؤ بھی ملے۔''

''اتنے خفا مت ہو۔ اس مصلےٰ پر ماتھا گھس گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک نیا خریدنے کی توفیق نہیں دی۔''

اظہر چپ رہا۔ دریا بی بی کی بات نے اس کے سینے میں ہلچل مچا دی تھی۔ وہ بہت گستاخ ہوتی جا رہی ہے۔ وہ غصہ میں بھرا کھڑا رہا پھر اس نے تین بار لاحول پڑھی۔

''بچوں کا ذرا دھیان رکھنا میں تالاب تک جا رہی ہوں۔''

سارے دن کے بعد یہ گھڑی چین کی اسے نصیب ہوئی تھی۔ شام کی ہوا سرسرا رہی تھی اور اپنے ساتھ کہیں دور کھلے پھولوں کی خوشبو بھی لے آئی تھی۔

وہ جلدی واپس آ گئی اظہر دالان میں بچوں کے پاس بیٹھا تھا۔ بولا'' بڑی جلدی آ گئیں تم تو۔''

لگتا ہے بکری بیاہنے والی ہے'' جاؤ جا کر اسے یہاں لے آؤ۔''

''نہیں وہ ابھی نہیں بیاہے گی۔''

''گھڑی گھڑی تو وہ ممیا رہی ہے، اگر کہیں رات کو بچہ دے دیا، تو وہ بچھڑا ایسا بد ذات ہے لات مار کر مار ڈالے گا۔''

تالاب ایک اجڑے گھر سے ذرا پرے تھا۔ تالاب کے اتر کی طرف گائے کا باڑا تھا۔ جہاں گائے بکریاں بندھتی تھیں۔ تالاب کے چاروں طرف لمبی گھاس میں سانپوں کی بن آئی تھی اس لئے اظہر کا جی جانے کو بالکل نہیں چاہ رہا تھا۔ کچھ اور کہے بغیر دریا بی بی باورچی خانے میں چلی گئی۔ وہ پیالے میں سالن نکال رہی تھی لیکن اس کے کان بکری کے ممیانے پر

MashalBooks.org

لگے ہوئے تھے۔

نعیمہ اپنے ہاتھ سے نہیں کھا پاتی تھی۔ سو جب سب کھانا کھا چکے، تو دریا بی بی نے اسے اپنی گود میں لے لیا۔ اونگھتی نعیمہ ماں کے ہاتھ سے خاموشی سے کھاتی رہی۔

دریا بی بی کے کان ابھی بکری کی آواز پر لگے تھے۔ یہ بے وقوف جانور اس غریب خاندان کے لیے ایک سرمایہ تھے۔ پچھلے سال بھی باڑے میں دو میمنوں کو گایوں نے مار ڈالا تھا۔ اب پھر تو ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ اگر وہ دونوں اب ہوتے تو اچھے داموں بک جاتے۔ کچھ پیسے ہاتھ آجاتے۔ ابھی اگلے ہی دن بیوپاری انہیں پوچھ رہے تھے۔

کھانے دانے سے فارغ ہو کر بھی چین کی ضمانت نہ تھی۔ بادل گھرے ہوئے تھے۔ اگر رات میں مینہ برس گیا۔ تو آنگن میں رکھے اپلے گیلے ہو جائیں گے اور صبح چولھے میں آگ کیسے سلگے گی؟ سوکھی پتیوں پر عورتیں لڑ لڑ کر مری جاتی تھیں۔ دریا بی بی ٹوکری میں اپلے جمع کرنے کو دوڑی۔ وہ نہا دھو چکی تھی۔ اب اسے پھر اپلے چھونا پڑیں گے۔ وہ آسانی سے تھکنے والی نہ تھی۔ لیکن آج اس کا برا حال تھا۔

امجد ماں کے پاس نہیں سوتا تھا۔ وہ دوسری جگہ ہوتا تھا۔ اظہر خان کی دور پار کی ایک چچی تھی عاشق جان۔ اسے نہ ٹھیک سے دکھائی دیتا تھا اور نہ ڈھنگ سے سنائی دیتا تھا۔ وہ اس گھر میں اس لئے رہتی تھی کہ اس کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ گاؤں کے کھاتے پیتے مسلمانوں کی زکوٰۃ خیرات اور عید، محرم اور دوسرے تہواروں کے صدقے خیرات پر اس کی گزراں تھی۔ وہ اندھیرا ہونے سے پہلے اپنی کوٹھڑی میں چلی جاتی تھی اور پھر کہیں جانے کو نہ نکلتی۔ وہ کھانا بھی گھر میں کھاتی تھی۔ امجد اس کے پاس گھس کر سوتا تھا۔ عاشق جان یوں تو آہٹ سے بھی جاگ جاتی لیکن اپنی کمزور نظر کی وجہ سے لڑکے کا دھیان نہیں رکھ پاتی تھی۔ دریا بی بی رات گئے اٹھی اور اندر والے دروازے سے کوٹھڑی میں آئی تا کہ امجد کو دیکھ سکے۔ امجد بے سدھ سوتا تھا۔ اور اکثر کروٹ لینے میں فرش پر سوتا ملتا۔ ہاتھ میں چراغ پکڑے دریا بی بی نے اسے دیکھا لیکن وہ بھلے مانس بچے کی طرح سو رہا تھا۔ پیروں کی چاپ سے عاشق جان کی آنکھ کھل گئی۔

''اظہر ہو کیا؟''

''نہیں، دریا ہوں خالہ۔''

''کیا بات ہے، دریا بو؟''

''ایسے ہی آئی تھی''

''سارا دن جتی رہتی ہو۔ جاؤ جا کر اب سو رہو۔''

''اچھا''

''دریا بو'' عاشق جان پھر بولی، ''اب تم آ ہی گئی ہو تو ایک گھونٹ پانی دے دو مجھے۔ میں اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارنے سے بچ جاؤں گی۔''

دریا بی بی نے گھڑے سے پانی انڈیلا۔

''دریا بو، صبح میں ساتھ کے گاؤں جاؤں گی۔ شاید کوئی کپڑے کا ایک ٹکڑا دے دے۔ پچھلی عید پر مسلمان منشی نے مجھے دے دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس پر اپنا کرم کرے۔''

دریا بی بی اس وقت شاید برس پڑتی۔ اب اتنی رات گئے انہیں باتیں سوجھ رہی تھیں لیکن وہ خاموش رہی۔ دریا بی بی کے جاتے ہی کمرہ پھر اندھیرے میں ڈوب گیا۔ بہرے پن کے مارے، عاشق جان اپنی آواز کا اندازہ نہیں کر پاتی تھی۔ چلا کر بولی۔ ''جانے کمبخت زمانے کو کیا ہو گیا ہے؟ لوگوں کے پاس اتنا بھی نہیں کہ ایک غریب کو معمولی کپڑے کا ایک ٹکڑا ہی خیرات کر دیں۔ دنیا کا آخری وقت آ گیا ہے۔ کانے دجال کے آنے میں اب زیادہ دیر نہیں۔ چودھویں صدی ہے۔ قرآنِ مجید تو غلط نہیں ہو سکتا نا؟''

ذرا دیر بعد عاشق جان کو احساس ہوا کہ کمرے میں کوئی نہیں ہے تو وہ چپ ہو گئی۔ پھر اپنے سفید بالوں میں جوئیں ٹٹولتے ہوئے اس نے ایک آہ بھری۔

دریا بی بی کے لئے لیٹنا دو بھر ہو گیا۔ بکری اگر اس وقت بیاہی تو وہ اکیلی اس کام سے نہیں نمٹ پائے گی۔ اسے اظہر کو جگانا پڑے گا۔

''سنو بکری تکلیف میں ہے''

دریا بی بی نے میاں کی بات کی تعمیل کی۔ اظہر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ ''میں جا کر دیکھتا ہوں۔ چراغ جلاؤ۔'' اظہر نے دروازہ کھولا اور دیکھا کہ بادل گھر گھر آ رہے ہیں اور ہوا تیز ہو گئی ہے۔

طوفان کسی گھڑی آ سکتا تھا۔ تالاب کنارے لگے پیڑ لگتا تھا ٹوٹ کر گر پڑیں گے۔ یوں لگتا تھا جیسے جنگل ایک وحشی ناچ ناچ رہا ہو۔ اور دیوانوں کی سی ہنسی ہنستا ہو۔

چاروں طرف کراہنے کی سی آواز گونج رہی تھی۔

چراغ ہاتھ میں لئے، دریا بی بی احتیاط سے آگے چلتی رہی۔ ''گائے کا باڑا گھر کے پاس تو بنا لوں'' اظہر بولا ''لیکن جگہ کہاں سے آئے گی۔ یہ تو رائے صاحبوں کی عنایت ہے کہ تالاب کنارے باڑا بنانے کی اجازت دے دی۔''

دریا بی بی کو چراغ کی فکر تھی۔ اس نے اظہر کی بات نہیں سنی۔ ککروندوں کی گھنی جھاڑی کنارے پر پھیلی ہوئی تھی۔ اظہر نے ایک چھڑی سے اسے راستے سے ہٹایا۔ انہیں بڑی احتیاط سے پاؤں اٹھانا تھے۔ پگڈنڈی کانٹے دار ٹہنیوں سے بھری پڑی تھی۔ باڑے کے سامنے پہنچ کر انہوں نے سکھ کا سانس لیا۔ بکری کا کراہنا اب سنائی نہیں دے رہا تھا۔

جیسے ہی انہوں نے باڑے کا دروازہ کھولا۔ سامنے جھاڑیوں میں سے ایک سفید بچھڑا دوڑ کر نکل آیا۔

''دن ڈھلے کہاں تھا تو، کم بختی مارے؟''

اظہر کے پاس کھڑا بچھڑا دم ہلائے، جا رہا تھا۔ جیسے انسانوں کی جھاڑ ان کے لاڈ کا پیش خیمہ ہو۔

دریا بی بی نے اس کے گلے میں رسی ڈالی ورنہ اپنی ماں کا سارا دودھ پی جائے گا۔

پہلے گایوں کا تھان تھا، بکریوں کا تھان دوسرے کونے میں تھا۔ جہاں اندھیرا زیادہ تھا۔

باڑے میں ہوا کا زور قدرے کم تھا۔ اس کے چاروں طرف ککروندے کی گھنی جھاڑیاں تھیں جو ہوا کے خلاف قلعہ کا کام دیتی تھیں۔

چراغ پکڑے دریا بی بی بکریوں کے تھان تک گئی او رخوشی سے اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ بے بس بکری دو کالے میمنوں کو چاٹ رہی تھی۔

نال ابھی باہر نہیں آیا تھا۔ دریا بی بی بولی، میں نکالتی ہوں اگر کہیں کہ اسے نگل گئی تو میمنوں کو دودھ پلانے کو پیسے کہاں سے آئیں گے اور یہ کیسے بچ پائیں گے؟''

MashalBooks.org